ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی: مستشرقین کے اعتراضات کا منصفانہ جائزہ

The Noble Personality of the Holy Prophet Muhammad (PBUH): A Fair Examination of Orientalists' Criticisms

ڈاکٹر محمد نعمان خالد: لیکچرر کراچی انٹیٹیوٹ آف مینجمنٹ اینڈ سائنسز

ڈاکٹر عبد الماجد: ایسوسی ایٹ پروفیسر الغزالی یونیورسٹی کراچی

حافظ اسامہ ارشد: پی ایچ ڈی سکالر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

Abstract

The glory and majesty of Holy Prophet ﷺ is so high and superior that it cannot be estimated by the human intellect, his attributes and perfections are so evident that every man of good intellect can recognize them. To object to the esteemed person of the Prophet ﷺ is to humiliate oneself, these objections will not reduce the glory of the Prophet ﷺ even an iota. It becomes clear to every intellectual and intelligent person that the reason for these objections is actually one of two things:

First: Defection from the truth and obstinacy while working with ignorance.

Second: Ignorance and ignorance of the life and deeds of the Prophet of Islam.

Generally, whenever a person commits an objection to the beloved person of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him), the reason for this is one of the above-mentioned two things, otherwise, in the historical documents of fourteen hundred years, the Holy Prophet (peace be upon him) Every single aspect of the life, character and society of Prophet Muhammad is clear and bright in front of humanity, in which there is absolutely no room for any kind of objection.

***keywords**: glory, attributes, defection, single aspect of the life.*

تمہید:

آج سے تقریباً سوا چودہ سو سال قبل جب دنیا کے افق پر جہالت و سفاہت کے بادل چھائے ہوئے تھے، چہار دانگِ عالم میں کفر وشرک کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ ظلم واستبداد، زناکاری، جھوٹ فریب، دھوکہ دہی اور ہر قسم کی برائیوں سے انسانی معاشرہ آلودہ ہو چکا تھا۔ اطرافِ عالم میں انسانیت کی فلاح و بہبود اور درستگی و اصلاح کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی۔ آفاقِ عالم میں مایوسی و ناامیدی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ انسان درندگی کی زندگی گزار رہا تھا۔ سالہا سال کی لڑائیاں اور جنگ وجدل اس کا محبوب مشغلہ بن چکا تھا۔ چھوٹی اور معمولی باتوں پر قتل و قتال ان کی عادت تھی۔ اسی کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

کبھی پانی پینے پلانے پہ جھگڑا، کبھی گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

یونہی چلتی رہتی تھی تکرار اُن میں، یونہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

اسی اثناء میں ربِ کائنات خلّاقِ لم یزل کی رحمت جوش میں آئی۔ اور فاران کی چوٹیوں سے رشد وہدایت کا آفتاب وماہتاب نمودار ہوا۔ جس نے بنی نوع انسان کو تیئس سال کے قلیل عرصہ میں اس معراجِ ترقی پر پہنچایا کہ قیامت کی صبح تک انسانیت اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی نے اپنی دن رات کی انتھک محنت، کوشش اور جدوجہد سے ایسے رجالِ کار تیار کیے کہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے قانونِ حیات کو اولاً اپنی زندگیوں پر اور پھر روئے زمین پر اس

مقدّس نظام کو نافذ کرکے بے مثال نمونہ پیش کیا۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید ہر میدان میں ان کے ساتھ شامل حال ہو گئی۔ پھر وہ لوگ دنیا کے جس میدان میں بھی گئے کامیابی نے ان کے قدم چومے اور ہر مخالف قوت کو ٹکرا کر پاش پاش ہونا پڑا ۔ اور مسلمانوں نے نصف روئے زمین پر اس شان و شوکت اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی کہ کفر کی کسی طاقت کو ان کی مخالفت میں دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔

لیکن ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کفریہ طاقتوں خصوصاً مغرب کے لیے اسلامی معاشروں اور اسلام کی ترقی کو گوارا کرنا انتہائی مشکل تھا۔ ہزار سال سے بھی محیط ایک طویل دور گزرا ہے۔ جب مغرب اور اسلام دونوں ایک دوسرے کے لیے عظیم خطرہ سمجھے جاتے تھے، اس اسلامی خطرے کو روکنے اور اسلام کی بڑھتی ہوئی شان اور عظمت کو داغدار کرنے کے لیے کفر اور خاص طور پر مغرب نے ہر دور میں بے حد محنت اور کوشش کی۔ چنانچہ مغربی طاغوتی طاقتیں اسلام کی تصویر کشی مسیحیت کی ایک بگڑی ہوئی شکل، شیطان کے پجاری اور محمد ﷺ کے نعوذ باللہ دھوکہ اور فریب اور عرب کے بدوؤں کی فتوحات کے لیے قائم کئے جانے والے ایک دہشت گرد اور عسکری مذہبی گروہ کی حیثیت سے کرتے رہے۔ چونکہ اسلام کی اس بے مثال شان و شوکت اور عظمت کے بانی اور سر فہرست شخصیت حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ کی شخصیت سے کفار اور اہلِ مغرب کو خاص طور سے ضد تھی اور شروع سے ہی آپ ﷺ کی بے عیب ذات میں نقص اور خامی کی تلاش میں رہے۔ چنانچہ انھوں نے مختلف طریقوں سے حضور اکرم ﷺ کی ذات کو نعوذ باللہ من ذالک عیب دار کرنے کی کوشش کی۔ اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھوں نے اسلامی علوم اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت و کردار کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس کے لیے مستقل ادارے اور درس گاہیں قائم کی۔ جن کا مقصد صرف اور صرف تحریکِ استشراق کی بنیاد ڈالنا تھا۔

اِستشراق کی تعریف:

لفظِ استشراق قدیم عربی لغات میں مفقود ہے۔ دراصل یہ لفظ غیر مسلم مفکرین کا وضع کردہ ہے جس کے لیے عربی میں استشراق استعمال کیا گیا۔ جس کو انگلش میں "Orientalism" کہتے ہیں۔ یہ لفظ شرق سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی طلوع ہونے کے ہیں۔

اس کی اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ میں کی گئی ہے۔ بعض حضرات نے ان الفاظ میں تعریف کی:

"غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔"(۱)

المنجد جو عربی لغت کی مشہور کتاب ہے اس میں استشراق کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''العالم باللغات والاداب والعلوم الشرقية والاسم الاستشراق''(۲)

یعنی مشرقی زبانوں، آداب اور علوم کے عالم کو مستشرق کہا جاتا ہے اور اس علم کا نام استشراق ہے۔

آکسفورڈ کی جدید ڈکشنری میں مستشرق کی درج ذیل الفاظ میں تعریف کی گئی ہے:

''مستشرق وہ ہے جو مشرقی علوم و آداب میں مہارت حاصل کرے۔''

اسی طرح انگلش کی مشہور ڈکشنری کیمبرج میں مستشرق کی حسبِ ذیل الفاظ میں تعریف کی گئی ہے:

"A person who studies the languages and culture of countries in the east and south-east of Asia" (۳)

یعنی وہ شخص مشرقی ممالک اور ایشیا کے جنوب مشرقی ممالک کے کلچر اور زبانوں کا مطالعہ کرے۔

تحریکِ استشراق کی ابتداء:

تحریکِ استشراق کے آغاز کی تاریخ دراصل دینِ اسلام کی ابتداء سے ہی ہو چکی تھی۔ کیونکہ قرونِ اولی کے دور سے ہی یہود اور دیگر کفار اسلام اور اسلامی احکامات پر اعتراض کرتے چلے آئے ہیں۔ البتہ یہ تحریک بغیر کسی نام اور شہرت کے صدیوں تک مصروفِ عمل رہی۔ لیکن استشراق یعنی "Orientalism" کی ابتداء یورپین زبان میں باقاعدہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہوئی۔ پھر اس تحریک کی ابتداء میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ اس کا باقاعدہ آغاز تیرھویں صدی عیسوی میں جب الفونس دہم نے "1962" میں مریسلیا میں تقابلِ ادیان کے حوالے سے ایک ادارہ ابو بکر رقوطی کی زیر نگرانی قائم کیا۔ اسی ادارے میں قرآن کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اسی عہد میں فریڈرک دوم نے مختلف اسلامی کتب کے ترجمے کروائے اور ان کو مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیجا۔ جبکہ بعض دیگر محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کا آغاز انیسویں صدی عیسوی میں ہوا جب اہل مالقہ نے اسلامی تہذیب و ثقافت کو داغ دار کرنے کے لیے کلام، ادب اور کتبِ احکام کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور اس مقصد کے لیے اچھا خاصا زرِ نقد بھی اکٹھا کیا۔ اس کے علاوہ بھی اس میں آراء موجود ہیں۔ بہر حال اس نام سے اس تحریک کا باقاعدہ آغاز اور اس نام کے ساتھ اس کی شہرت انیسویں صدی عیسوی میں ہی ہوئی۔ (۴)

تحریکِ استشراق کے مقاصد:

1) **دینی مقاصد:** اسلام چونکہ ابتدائی صدیوں میں خوب پھیلا اور دنیا کے بڑے بڑے ممالک اسلام کے سامنے مسخر ہو گئے۔ اس لیے یہود و نصاری کو یہ بات انتہائی ناگوار تھی، لہذا اسلام کو سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے اور اپنے دین کی اشاعت کے لیے مستشرقین نے اس تحریک کی بنیاد رکھی۔

2) **علمی مقاصد:** مسلمان مفسّرین، محدثین فقہائے کرام اور مفکرین رحمھم اللہ قرآنِ مقدّس کی تفسیر و تشریح، حدیث کی جمع و تدوین اور مذہبِ اسلام کی حقانیت پر مختلف الانواع کتابیں سینکڑوں نہیں، ہزاروں کی تعداد میں تصنیف فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب و عجم کے کتب خانے مسلمان مصنّفین کی کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ یہود و نصاری کو یہ بات بھی ناگوار گزری۔ اس لیے وہ اپنے علمی خزانے کو محفوظ کرنے اور وسعت دینے کے لیے یونیورسٹیاں قائم، مختلف علاقوں میں مدارس قائم کیے، مخطوطات جمع کر کے ان پر تحقیقی کام کرنا شروع کیا اور اسلام پر اعتراضات کرنے کے لیے اسلامی کتب خاص طور پر قرآن، حدیث اور سیرت کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

3) **اقتصادی مقاصد:** صلیبی جنگوں کے اختتام پر عیسائیت کی مادی طاقت پاش پاش ہو چکی تھی۔ جبکہ مشرقی اسلامی ممالک میں بہت سے مادی وسائل تھے جو اہل مغرب کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ ان فوائد کو حاصل کرنے کے لیے اہلِ مغرب نے اہلِ مشرق کی زبانوں کو سیکھنے اور ان کی تہذیب و ثقافت کو جاننا ضروری سمجھا، تاکہ مالی فوائد حاصل کیے جا سکیں۔ اس مقصد کے لیے ان کی مالی کمپنیاں، تجارتی ادارے اور حکومتیں ان علاقوں کے تفصیلی جائزے کے لیے باقاعدہ مہمیں روانہ کرتی تھیں۔

4) **سیاسی مقاصد:** اہلِ مغرب مسلمانوں کی تاریخ اور حالات کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد سمجھ چکے تھے کہ مسلمانوں کی ترقی کا راز ان کا آپس کا اتفاق و اتحاد ہے۔ اس اتحاد کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے مختلف سیاسی حربے استعمال کئے۔ مسلمانوں کے درمیان مختلف غلط قسم کے نظریات و اعتقاد پھیلانے شروع کیے۔ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اہلِ مغرب نے دو گروہ بنائے ایک مستشرقین اور دوسرا مبشرین (جو لوگوں کو عیسائیت کی طرف مائل کرتے تھے) خلافتِ عثمانیہ بھی ان کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ اہل مغرب نے مختلف سازشوں کے ذریعہ اس رکاوٹ کو ہٹانے کے لیے بھی کامیابی حاصل کی۔

حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر کیے گئے اعتراضات

حضورِ اکرم ﷺ مقصودِ کائنات اور تمام مخلوقات کے لئے سراپا رحمت ہیں، آپ ﷺ کا مقام اور مرتبہ کسی انسان پر مخفی نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ختمِ نبوت کا تاج پہنا کر اور انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت عطا فرما کر تمام جن وانس اور ملائکہ پر آپ ﷺ کی فضیلت ظاہر فرمادی، اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑھ کر مقام اور مرتبہ آپ ﷺ کا ہی ہے، آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے محسنِ اعظم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے، جس کی قدر دانی پوری انسانیت کی ذمہ داری ہے، خصوصاً مسلمان قوم کہ جس کو حضورِ اکرم ﷺ کی بابرکت ذات کی وجہ سے اسلام جیسی نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی اور قرآن مقدس جیسی کتابِ ہدایت عطا کی گئی جو تمام انسانیت کے لئے ہدایت کا معیار اور کسوٹی ہے۔

نیز یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تمام قسم کے عیوب اور گناہوں سے پاک ،بری، منزہ اور معصوم ہے ربِ کائنات نے اس ذات میں تمام قسم کی صفاتِ جمیلہ اور اوصافِ حمیدہ ودیعت رکھ کر انسانیت کے لیے اعلیٰ نمونہ پیش کر دیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بھی حضور اکرم ﷺ کے کسی قول یا فعل پر اعتراض یا اس کو غلط سمجھے گا تو یہ اس کے علم کی کمی، اس کی عقل کا فتور اور دماغ کی خرابی کی وجہ سے ہو گا اور یہ چاند پر تھوکنے کے مترادف ہو گا۔ اس لیے حضورِ اکرم ﷺ کی عزت وآبرو کی حفاظت تمام مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری ہے اور آپ ﷺ کے منحوس گستاخوں سے بائیکاٹ کرنا، دل

وزبان سے ان سے نفرت کا اظہار کرنا اور ان کے ساتھ خرید وفروخت اور دوسرے معاملات کرنے سے مکمل طور پر اجتناب کرنا امت مسلمہ کی دینی غیرت وحمیت کا تقاضا ہے ،اور ہر مسلمان کے مذہبی اور اخلاقی فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ ایسا شخص جو قولا، فعلا، اشارۃ یا کنایۃ کسی بھی طریقہ سے حضورِ اکرم ﷺ کی مبارک ذات کے متعلق گستاخانہ رویہ اختیار کرے تو اگر اس کی طاقت میں ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے اور اگر اسکی طاقت نہ ہو تو زبان وقلم کے ساتھ اس کے اس منحوس طریقہ کار د کرے اور اس کو ان ناپاک حرکتوں سے روکنے کی کوشش کرے،اور اگر اس کی بھی ہمت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے اور اس کے اس غلط رویے کا شدت سے انکار کرے اور ایسے شخص کے ساتھ مکمل طور پر تعلقات ختم کر کے حضورِ اکرم ﷺ کے سچا محب ہونے کا ثبوت دے۔

مستشرقین نے اسلامی تعلیمات اور حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو نعوذ باللہ عیب دار کرنے کے لیے سب سے پہلے درج ذیل دو شخصوں نے قلم اٹھایا:

(1) سب سے پہلا شخص گولڈ زیہر (Gold Zeiher) کی ہے، جس کو عربی کتابوں میں "جولد تسھر" سے جانا جاتا ہے یہ شخص جرمن کا یہودی تھا، اس نے تمام اسلامی مآخذ کا مطالعہ کیا اور ۱۸۹۰ء میں پہلی تحقیق شائع کی، جس میں پورے اسلامی مآخذ کو مشکوک ٹھہرایا اس کی سب سے اہم کتاب "دراسات اسلامیۃ" کے نام سے ملتی ہے، جس کو پڑھ کر بعض اسلام کے نام لیوا بھی اپنی راہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔

(2) (۲) دوسرا شخص "جوزف شاخت" (Joseph Schacht) کی ہے جس نے سارے اسلامی علوم وفنون کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا، خاص طور پر "فقہ اسلامی" پر توجہ دی اور مختلف چھوٹے بڑے رسالے لکھے "بدایۃ الفقہ الاسلامی" اس کی ضخیم کتاب ہے، جس میں اس نے سارے ہی مآخذ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔(۶)

مستشرقین نے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر درج ذیل پہلوؤں سے اعتراضات کیے، ذیل میں ان اعتراضات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

1) خاندانی وجاہت کو عیب دار کرنے کی سازش۔
2) سماجی مقام کم کرنے کی کوشش۔
3) حضور اکرم ﷺ کو مرگی کا مرض لاحق ہونے کا الزام۔
4) اپنی رسالت پر حضور اکرم ﷺ کے ایمان کو کمزور کرنے کی کوششیں۔
5) حضور اکرم ﷺ پر شرک کا الزام۔
6) حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و کردار پر حملے۔
7) مسئلہ تعدّدِ ازواج اور مستشرقین۔

8) حضور اکرم ﷺ پر تشدّد پسندی کا الزام۔

9) اشاعتِ اسلام بزورِ شمشیر۔

اعتراض نمبر(۱):خاندانی وجاہت کو عیب دار کرنے کی سازش

اس سازش میں کامیاب ہونے کے لیے مستشرقین نے دو مفروضوں کو بنیاد بنایا:

i. حضور اکرم ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں۔

ii. حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا کوئی فخر کی بات نہیں۔ کیونکہ وہ خود ایک لونڈی کی اولاد تھے۔

پہلے مفروضے کا جواب:

عربوں میں اگرچہ بہت سی برائیاں پائی جاتی تھیں، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ وہ لوگ جھوٹ کو انتہائی معیوب اور ناپسندیدہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابوسفیان سے ہرقل کے دربار میں حضور اکرم ﷺ کی ذات کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے تمام باتیں صرف اس خوف سے درست اور سچ بتائیں تاکہ کہیں اس کی طرف جھوٹ کی نسبت نہ ہو۔ نیز اس کے بعد مسلمانوں نے حضور اکرم ﷺ کے مکمل کے حالات وواقعات انتہائی احتیاط اور سچائی کے ساتھ لکھے اور محفوظ رکھے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے اور اس بات کا اعتراف خود مستشرقین کو بھی ہے۔ چنانچہ جرمنی کے مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگ نے اِس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

”مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا ہے کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ آپ کے افعال واقوال کی تحقیق کے لئے مسلمانوں نے "اسماء الرجال" کے نام سے ایک مستقل فن ایجاد کیا اور اس میں آپ کے دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تیرہ ہزار اشخاص کے نام اور حالاتِ زندگی قلمبند کئے“(۷)

دوسری بات یہ کہ اہلِ عرب انتہائی ذہین لوگ تھے۔ یہاں تک کہ ان کو اپنے گھوڑوں اور بکریوں کی نسلوں تک کے نام یاد تھے اور ایک ایک آدمی ہزاروں اشعار زبانی یاد رکھتا تھا۔ جیسے کتبِ تاریخ میں ایسے واقعات بھرے پڑے ہیں۔ اس قدر ذہانت کے باوجود یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا نسب ھضرت اسمعیل علیہ السلام سے نہ ملتا ہو اور عربوں کو یاد نہ ہو؟ بلکہ عربوں میں یہ بات مشہور تھی کہ حضور اکرم ﷺ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں کبھی بھی کسی نے اس پر نکیر نہ کی تھی۔

لہٰذا مسلمان محدثین ومؤرخین کا حضور اکرم ﷺ کے نسب کی نسبت حضرت اسمعیل علیہ السلام کی طرف کرنا اور عربوں میں اس بات کا مشہور ہونا نسبِ مبارک کے درست اور صحیح ہونے کی روشن اور بیّن دلیل ہے۔

دوسرے مفروضے کا جواب:

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا انتہائی پاکدامن اور ایک بادشاہ کی صاحبزادی تھیں۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس کے دربار میں گئے تو بادشاہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی اور عظمت سے بہت متاثر ہوا اور اس نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں بہت سے تحائف اور ہدایا پیش کیے، نیز اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لیے اپنی صاحبزادی بھی پیش کی۔لہذا یہ زر خرید باندی نہیں تھی، بلکہ بادشاہِ وقت کی بیٹی تھی اور بادشاہ نے اپنی بیٹی حضرت ابراہیم کی خدمت میں اعزاز حاصل کرنے کے لیے پیش کی تھی۔اس لیے اس سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے نسب پر کوئی حرف نہیں آتا۔(۸)

اعتراض نمبر(۲):سماجی مقام کم کرنے کی کوشش

حضور اکرم ﷺ کے سماجی مقام کو کم کرنے کے لیے مستشرقین نے کہا کہ خاندانِ بنو ہاشم عرب میں کوئی خاص حیثیت کے حامل نہیں تھے، بلکہ دوسرے بعض قبائل سیاسی اور معاشی طور پر زیادہ مضبوط اور اہمیت رکھنے والے تھے۔اور اس کے لیے انھوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور اکرم ﷺ کے دودھ پلانے کے لیے بھیجنے کے قصہ کو بطور دلیل بیان کیا کہ غربت کی بناء پر دودھ پلانے کے لیے باہر بھیجا گیا۔

جواب

عرب کی باعثِ افتخار چیزیں:

عرب میں تین چیزوں کو باعثِ جاہ و عظمت اور لائقِ فخر سمجھا جاتا تھا:(1)شجاعت(2)سخاوت(3)بیت اللہ شریف کا متولی ہونا۔

اور قبیلہ بنو ہاشم کو یہ تینوں چیزیں بدرجۂ اتم حاصل تھیں، اسی لیے ان کو مکہ میں بہت شان و شوکت و عظمت حاصل تھی۔دیگر قبائل بھی بخوبی سمجھتے تھے کہ بنو ہاشم عزت و مرتبہ میں کسی سے کم نہیں۔جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ جب غزوۂ بدر کے موقع پر ابو جہل نے اپنی طرف تین آدمی عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو لڑائی کے لیے بھیجا تو عتبہ نے کہا ہم اپنے مقابلے کے لوگوں سے لڑائی لڑیں گے۔اپنے سے نچلے لوگوں سے مقابلہ کرنا ہماری شان نہیں۔حضور اکرم ﷺ نے ان کے مقابلے میں خاندانِ بنو ہاشم کے تین نوجوان حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث کو مقابلے کے لیے بھیجا اور آپ ﷺ نے ان تین حضرات کا جب تعارف کروایا تو عتبہ نے کہا کہ ہاں یہ لوگ ہمارے ہم پلہ ہیں۔پھر مقابلہ شروع ہوا اور بنو ہاشم غالب آ گئے۔

دوسری دلیل یہ کہ جب ہرقل نے ابو سفیان سے حضور اکرم ﷺ کے خاندان کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ عزت والا خاندان ہے۔نیز آپ کے قبیلہ قریش کو بیت اللہ کا متولی ہونے کی وجہ سے تمام عرب میں عزت

کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کو تجارت کے سلسلہ میں سفر درپیش ہوتا تو راستے میں ڈاکو ان کو کچھ نہیں کہتے تھے۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ مستشرقین کا یہ اعتراض افتراء اور جھوٹ ہے۔ مالداری عربوں کے نزدیک کسی حیثیت کی حامل نہیں تھی۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ بنو ہاشم غریب خاندان نہیں تھا، بلکہ مال داری کے اعتبار سے متوسط درجہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور دوسری وجوہ کی بناء پر ان کی عزت و مقام کسی سے کم نہیں تھا۔

قصہ رُضاعت کا جواب:

جہاں تک اس قصہ رُضاعت کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اپنے بچوں کو دیہاتوں میں دودھ پلانے کا معمول عرب میں معزز اور عظمت والے گھرانوں کی عادت تھی۔ اور یہ عمل باعثِ عزت سمجھا جاتا تھا۔ ایک عام عقل و فہم کا انسان بھی کیا یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایک بچہ جو غریب ہو اور اسکی ماں زندہ ہو اسے غربت کسی حوالے سے مجبور نہیں کرتی، کیونکہ اس بچے کی والدہ خود یہ کام بغیر کسی تکلیف کے کر سکتی ہے۔ خصوصاً جبکہ ماں کے اندر بے پناہ محبت کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے کہ ماں خود دودھ پلائے۔ لیکن اس سب کے باوجود بچے کو باہر دیہات میں بھیجنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ عرب کے عزت والے اور اچھے خاندانوں کا طرز تھا۔(۹)

اعتراض نمبر(۳) حضور اکرم ﷺ کو مرگی کا مرض لاحق ہونے کا الزام

مستشرقین نے تیسرا اعتراض حضور اکرم ﷺ کی مبارک ذات پر یہ کیا کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کو مرگی کا مرض لاحق تھا۔ اس اعتراض کی بنیاد انھوں نے درج ذیل واقعات کو بنایا:

1) آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل حضرتِ آمنہ رضی اللہ عنہا بعض اوقات دیکھتیں کہ بادل ان پر سایہ فگن ہیں، کبھی کنویں کا پانی اوپر آتا ہوا نظر آتا اور اس طرح کے دیگر واقعات وغیرہ۔ مستشرقین کا کہنا ہے کہ یہ مرگی کی بیماری کا اثر تھا اور یہی مرض حضور اکرم ﷺ کی طرف منتقل ہوا۔

2) جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو جاتا اور شدید بوجھ آپ پر طاری ہوتا۔ مستشرقین کا کہنا یہ ہے کہ یہ بھی مرگی کے مرض کے اثر کی وجہ سے تھا۔

جواب

1) اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ مرگی کے مرض کی تین علامات ہیں: جو اہلِ طب اس مرض کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔ (۱) عقل کا ماؤف ہو جانا (۲) جسم کا پھڑ پھڑانا (۳) اعضائے تنفس کا بند ہو جانا۔ چنانچہ اردو ویکیپیڈیا میں ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

”مرگی (epilepsy) ایک دماغی مرض کا نام ہے، اس میں دفعتاً "بیہوشی طاری ہو جاتی ہے، اعصاب کے تشنج اور تنفس سانس لینے کے منفذ کے بند ہونے سے اعصاب بے اختیار ہو جاتے“(۱۰)

جبکہ مذکورہ بالا واقعات میں ان تین علامات میں سے کوئی علامت نہیں پائی جا رہی۔ نیز جس صحت، تندرستی اور عافیت والی زندگی حضور اکرم ﷺ نے گزاری ہے، اس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے اور اس کا اقرار خود مستشرقین کو بھی ہے۔ لہذا ان واقعات کو مرگی کا اثر قرار دینا درست نہیں۔

2) بعض مستشرقین بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ مرض لاحق نہیں تھا۔ چنانچہ مغرب کا مشہور مستشرق مورخ گبن (Gibbon) اس اعتراض کے متعلق لکھتا ہے:

> ”تریسٹھ سال کی عمر تک محمد (ﷺ) کی قوت اس کے فریضۂ حیات کی جسمانی اور روحانی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے قابل تھی۔ آپ کی مرگی کے دورے جو یونانیوں کی ایک غیر معقول تہمت ہے، وہ ان کے لیے نفرت کے جذبات پیدا کرنے کی بجائے ترحم کے جذبات پیدا کرے گی۔“(۱۱)

اسی طرح ایک اور مستشرق اے ڈرمنگھم اس نظریے کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

حضرت محمد (ﷺ) اس اعتبار سے دنیا کے واحد پیغمبر ہیں جن کی زندگی کھلی کتاب کی مانند ہے، ان کی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں، بلکہ منور اور روشن ہے۔ عقلِ سلیم سے عاری انسان ہی محمد (ﷺ) پر کسی بھی ذہنی بیماری کا الزام عائد کر سکتا ہے۔ یہاں موازنہ نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ عہد نامہ قدیم کے پیغمبر کتنے جلالی تھے اور مغلوب الغصب۔ اور تو اور عہد جدید میں حضرت مسیح علیہ السلام جیسے نرم دل اور حلیم کو بھی ہم غصے اور طیش سے مغلوب ہوتے دیکھتے ہیں اور ایسی زبان بولتے ہیں جو (نعوذ باللہ) شائستہ قرار نہیں دی جا سکتی۔ کیا محمد (ﷺ) کا بڑے سے بڑا معترض کوئی ایسا واقعہ پیش کر سکتا ہے کہ جس میں آپ نے اپنے اوپر طیش اور غصے کو غالب کر لیا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کی کوئی ایسا واقعہ زندگی میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے ان کی جسمانی یا ذہنی صحت کے علیل ہونے کا سراغ ملتا ہو ان کی جسمانی اور ذہنی صحت قابلِ رشک تھی۔“(۱۱)

اعتراض نمبر (۴) اپنی رسالت پر حضور اکرم ﷺ کے ایمان کو کمزور ہونا

مستشرقین نے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر چوتھا اعتراض یہ کیا کہ آپ ﷺ کا اپنی رسالت پر پختہ ایمان نہیں تھا، جیسے ایک نبی کا اپنی رسالت پر ایمان ہونا چاہئے۔ اس دعوی کے دلائل میں انھوں نے درج ذیل واقعات بیان کئے:

واقعہ نمبر (۱):

بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی کی حالت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس لوٹے اور فرمایا "مجھے چادر اوڑھادو"۔ مستشرقین کا کہنا یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کو اپنی رسالت پر یقین ہوتا تو یہ پریشانی طاری نہ ہوتی۔

واقعہ نمبر (۲):

فترتِ وحی کے زمانہ میں آپ ﷺ پر سخت اضطرابی کیفیت طاری تھی۔ آپ ﷺ اس قدر پریشان تھے کہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کا کبھی دل کرتا کہ پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر ہلاک کردوں۔

جواب

مستشرقین کا یہ اعتراض بھی بالکل بے بنیاد اور بے جا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں واقعات سے اس پر استدلال کرنا درست نہیں۔ کیونکہ ان دونوں واقعات میں آپ ﷺ کی غیر اختیاری کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جب انسان پر اچانک اس طرح کا واقعہ پیش آتا ہے تو پریشان ہونا انسانی فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے۔ لہذا غیر اختیاری کیفیت کو بنیاد بنا کر حضور اکرم ﷺ کے اپنی رسالت و نبوت پر ایمان کو کمزور ثابت کرنا غلط ہے۔

بخاری شریف کی روایت کا جواب:

جہاں تک بخاری شریف کی روایت کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ بخاری شریف میں کئی جگہ آیا ہے۔ صرف ایک روایت میں پہاڑ سے گرانے کے خیال کا ذکر ہے جو حضرت معمر نے امام زہریؒ سے نقل کی ہے۔ اس کے علاوہ کسی جگہ پر ان الفاظ کا ذکر نہیں۔ نیز امام زہریؒ نے بھی اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے "فیما بلغنا" یعنی ہمیں اسطرح یہ روایت پہنچی ہے۔ کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں، اس میں راوی کا کہیں نام مذکور نہیں۔ دوسری بات یہ کہ دیگر روایات کے راوی بھی امام زہریؒ ہی ہیں۔ جن میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں محدثین کا اصول ہے کہ صحیح اور مرفوع حدیث کو ترجیح ہوتی ہے اور صحیح سند سے ثابت شدہ مرفوع روایات میں ان الفاظ کا اضافہ نہیں ہے، لہذا پہاڑ سے گرانے والی روایت مرجوح اور دیگر روایات راجح ہیں۔ خصوصا جبکہ یہ روایت عصمتِ انبیاء کے مسلمہ عقیدے کے بھی خلاف ہے۔ (۱۲)

اعتراض نمبر (۵) حضور اکرم ﷺ پر شرک کا الزام

مستشرقین نے حضور اکرم ﷺ پر ایک اعتراض یہ کیا کہ آپ ﷺ نے توحید کی دعوت تو دی لیکن بعض مشرکانہ رسوم کو برقرار رکھا۔ اس اعتراض کی بنیاد انھوں نے دو چیزوں کو بنایا۔ اول یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے نبوت کے ابتدائی زمانہ میں مشرکین مکہ کو بتوں کی پوجا سے نہیں روکا۔ جس کی وجہ سے مشرکین مکہ آپ ﷺ کی موجودگی میں ہی بتوں کی پوجا کرتے رہے۔ دوم یہ بعض مستشرقین نے حج جیسی عظیم عبادت کو مشرکانہ رسوم قرار دیتے ہوئے کہا کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے بعض مشرکانہ رسوم کو بدستور جاری رکھا۔

جواب

مستشرقین کا یہ الزام اور اس کی دلیلیں بھی ان کی اپنی اختراع ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے دعوتِ اسلام شروع کی تو ساتھ شرک کی نفی اور توحید کا پرچار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اعلانیہ تبلیغ سے پہلے بھی کسی کو شرک یا بت پرستی کی دعوت یا ترغیب نہیں دی۔ جو لوگ حضور اکرم ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لائے انھوں نے جن الفاظ کے ساتھ اپنے مومن ہونے کا اظہار کیا وہ الفاظ بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صرف دعوتِ توحید کو ہی پھیلایا اور اسی کی ترویج کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے ابتدائے نبوت سے ہی توحید کا علم بلند کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ اسوقت کی بات ہے جب خفیہ دعوتِ اسلام کا حکم تھا لیکن جیسے ہی آپ ﷺ کو اعلانیہ دعوت کا حکم دیا گیا آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے سب کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا اور بتوں کی پرستش کی نفی اور مذمت کی۔

جہاں تک حج جیسی عظیم عبادت کو مشرکانہ رسوم کہنے کا تعلق ہے تو یہ مستشرقین کی اپنی اختراع ہے۔ اس لیے کہ حج کو صرف اسلام نے یا حضور اکرم ﷺ نے ہی مشروع نہیں قرار دیا بلکہ سابقہ ادیان میں حج کی ادائیگی کا حکم تھا۔ اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کا حکم دیا، لہٰذا یہ کہنا کہ حج جاہلیت کی رسم تھی جس کو حضور اکرم ﷺ نے مشرکانہ رسوم کو برقرار رکھا درست نہیں۔ (۱۳)

اعتراض نمبر (۶) حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و کردار پر حملے

حضور اکرم ﷺ کی زندگی اگرچہ تمام عیوب سے پاک صاف اور منزہ تھی، لیکن حسد و بغض سے بھرے ہوئے مستشرقین نے آپ ﷺ کی زندگی کا اس قدر گہری نظر سے مطالعہ کیا کہ جہاں کہیں بھی ان کو ان کی ناقص اور خراب عقل کے مطابق کوئی چیز عیب والی نظر آئی تو انھوں نے اس کو خوب اچھالا اور حضور اکرم ﷺ کی مبارک ذات کو عیب دار کرنے کی کوشش کی، لہٰذا آپ ﷺ نے اخلاق کو عیب دار ظاہر کرنے کے لئے اس واقعہ سے دلیل پکڑی کہ جب آپ ﷺ نے ایک لشکر عبداللہ بن جحشؓ کی قیادت میں روانہ فرمایا اس لشکر سے اشہر حرم میں ایک آدمی قتل ہو گیا تھا، چنانچہ ٹارنڈ رائے کہتا ہے:

"عبداللہ بن جحش کو ایک کام پر ابھارا اور جب قتل ہو گیا تو خود بری الذمہ ہو گئے اور ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا"

جواب

اس واقعہ کو بیان کرنے میں مستشرقین نے انتہائی دجل اور دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۲ ہجری میں حضور اکرم ﷺ نے عبداللہ بن جحشؓ کو ایک خط دیا اور فرمایا کہ دو میل دور چلے جانے کے بعد خط پڑھنا۔ جب اس مقام تک پہنچنے کے بعد خط کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ جب تم نخلہ کے مقام تک پہنچو تو ٹھہر جاؤ اور قبیلہ قریش کی جاسوسی کرو۔ اچانک وہاں سے ایک تجارتی قافلے کا گزر ہوا جو عمرو بن حضرمی کی قیادت میں آ رہا تھا، مسلمانوں کو کفار کے مظالم یاد آ گئے اور حملہ کرنے کا سوچنے لگے۔ لیکن اشہر حرم کی وجہ سے تردد میں پڑ گئے، اس لیے حملے کا ارادہ تو ختم کر دیا لیکن ایک صحابی نے تیر مار کر عمرو بن حضرمی کو قتل

کر دیا اور دو آدمیوں کو قیدی بنا لیا۔ جب آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں قتال سے منع کیا تھا اور آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ مسلمان سخت پریشان ہوئے تو اس پر اللہ تعالیٰ قرآن مقدس کی یہ آیات اتاریں:

{يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ} [البقرة: 217]

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ سے یہ لوگ حرمت والے مہینے کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اس کے خلاف کفر کی روش اختیار کرنا، مسجدِ حرام پر بندش لگانا اور اس کے باسیوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین چیز ہے۔ اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دین چھوڑ دے، اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دُنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ (۲۱۷)

اس آیت کے اترنے کے بعد مسلمانوں میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی، حضور اکرم ﷺ نے مالِ غنیمت کا خمس بھی ان کا قبول فرما لیا۔ اس واقعہ کو کس طرح بگاڑ کر مستشرقین نے پیش کیا اور حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو داغدار کرنے کی ملعون اور ناپاک کوشش کی۔ (۱۴)

اعتراض نمبر (۷) مسئلہ تعدّدِ ازواج اور مستشرقین

مستشرقین اور اہلِ مغرب نے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر تعدّد ازواج کا بہت بڑا اعتراض کیا اور اس اعتراض کو انھوں بہت زیادہ اچھالا اور کہا کہ ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی شادی نہیں کی، جبکہ محمد (ﷺ) نے نو شادیاں اور دو باندیاں اپنے پاس آخر عمر تک رکھیں۔

جواب

اس اعتراض کے شافی اور کافی جواب کے لیے ہم نے تین مقدمات قائم کیے ہیں، جن سے مستشرقین کے اعتراض کی قلعی کھل کر سامنے آجاتی ہے:

مقدمہ نمبر (۱):

تاریخ انسانی میں یہ بات طے شدہ ہے کہ زیادہ عورتوں سے شادی کرنا عرفاً اور عقلاً معیوب یا انسانی مروت کے خلاف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ میں سینکڑوں انسان ایسے گزرے ہیں جنھوں نے ایک ایک وقت میں کئی کئی عورتوں سے شادی کی۔ حضراتِ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں، چنانچہ بائبل میں مذکور ہے کہ ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں، حضرت یعقوبؑ کی بھی چار بیویاں، حضرت داؤدؑ کی نو بیویاں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی روایات کے مطابق سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں“۔اس سے معلوم ہوا کہ ایک زائد عورتوں سے شادی کرنا نبی علیہ السلام کی نبوت وعصمت کے خلاف نہیں۔

مقدمہ نمبر(۲):

دوسرا مقدمہ آٹھ جزئیات پر مشتمل ہے جو حضور اکرم ﷺ کی ذات سے متعلق ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

i. حضور اکرم ﷺ نے پچیس سال تک کوئی شادی نہیں کی اور اس عمر تک اس پاکدامنی کے ساتھ زندگی گزاری کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

ii. آپ ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں چالیس (۴۰) سالہ عورت سے شادی کی جو دو خاوندوں سے بیوہ ہو چکی تھی اور دونوں خاوندوں سے صاحبہ اولاد تھی۔

iii. پچاس سال کی عمر تک اسی بیوہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زندگی گزاری، نیز اس پچیس سال کے زمانہ میں کئی کئی دن کا توشہ ساتھ لے کر غاروں میں چلے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں مشغول رہتے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس شخص کو عورتوں سے کوئی سروکار ہی نہیں۔

iv. پچاس سال کی عمر میں پہلی بیوی کے وفات پانے کے بعد ایک سن رسیدہ عورت حضرت سوداء بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، جو کہ معمر اور بیوہ خاتون تھیں۔ یہ بھی تین سال تک حضور اکرم ﷺ کے نکاح میں اکیلی ہی رہیں۔ الغرض عمر مبارک کے ترپن سال تک آپ ﷺ کے حرمِ پاک میں ایک ہی زوجہ مطہرہ رہی۔(۱۸)

v. صرف ایک بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام زوجات بیوہ تھیں۔

vi. اگر آپ ﷺ (نعوذ باللہ) نفس کی خواہش کے بندے ہوتے تو اپنی بیویوں کو ناز و نعمت کے ساتھ رکھتے، جبکہ آپ ﷺ نے جس تنگدستی کے ساتھ زندگی کا عرصہ گزارا، وہ کسی مؤرخ پر مخفی نہیں۔ نیز جب بعض ازواج کی طرف سے معاشی فراوانی کا مطالبہ ہوا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب بیویوں سے فرمایا کہ:

{إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا} [الأحزاب: 28]

ترجمہ: اگر تم (اے بیویو) دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ کرتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ تحفے دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں۔(۱۵)

i. متعدد ازواج سے نکاح کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مالي في النساء حاجة“ یعنی مجھے عورتوں سے کیا حاجت؟ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تمام نکاح کسی ضرورت و مصلحت کی بناء پر کیے۔

ii. مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ چالیس اور روایات میں پینتالیس مردوں جتنی طاقت عطا کی گئی تھی۔
چنانچہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

1404 - عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أُعْطِيَ قُوَّةَ أَرْبَعِينَ أَوْ خَمْسَةٍ وَأَرْبَعِينَ فِي الْجِمَاعِ» - (16)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس روایت سے چالیس جنتی مرد مراد لیے ہیں۔ اور روایات میں آتا ہے کہ ایک جنتی مرد کو سو (۱۰۰) دنیاوی مردوں جتنی طاقت دی گئی تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے تفسیر عثمانی میں لکھا ہے کہ اس حساب سے حضور اکرم ﷺ میں چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) دنیاوی مردوں جتنی طاقت تھی۔ اور دنیا میں ایک مرد کو چار عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس حساب سے حضور اکرم ﷺ کے اندر سولہ (۱۶۰۰۰) عورتیں اپنے نکاح میں رکھنے کی طاقت تھی۔ لیکن اس کے باوجود صرف نو بیویاں (جن میں صرف ایک کنواری تھی) اور دو باندیاں اپنے پاس رکھیں۔ اس تمام صورتحال کی روشنی میں کیا کوئی عقلِ سلیم رکھنے والا شخص ایسے عبقری اور پاکدامن انسان کے بارے میں نفس کا بندہ ہونے کا گمان کر سکتا ہے؟ یہ سب مستشرقین کی ہٹ دھرمی اور حقیقت پر پردے گرانے والی بات ہے۔ (۱۷)

مقدمہ نمبر (۳):

حضور اکرم ﷺ نے جتنی شادیاں کیں، وہ تمام اللہ تعالیٰ کے حکم اور کسی نہ کسی مقصد اور حکمت کی بناء پر کیں۔ جس کے فوائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیان کردہ واقعات سے معلوم ہوتے ہیں، جن کو اصحابِ سیرت و تاریخ نے ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے زیادہ تر نکاح چار مقاصد کی بناء پر کیے:

1) **تعلیمی مقاصد:**

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے۔ اس میں تمام انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کا خزانہ موجود ہے۔ اس لیے عورتوں سے متعلق پاکی اور ناپاکی کے مسائل اور دیگر ضروری امور جن کو ایک عورت ہی صحیح طریقہ سے سمجھ کر آگے دوسری عورتوں تک پہنچا سکتی ہے، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کم عمری میں نکاح کیا۔ تاکہ دین کے مسائل کو اچھی طرح سمجھ کر اور ذہن نشین کر کے تبلیغ دین کا ذریعہ بن سکیں۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بڑے بڑے صحابہؓ تشریف لاتے اور مسائل پوچھتے تھے۔

2) **تشریعی مقاصد:**

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

شریعت پر تمام قوانین پر عمل کر کے امت کو سبق دینا اور زمانہ جاہلیت کی رسوم و رواج کو ختم کرنا آپ ﷺ کے فرائض منصبیہ میں داخل تھا۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے بعض عورتیں جیسے حضرت زینب رضی اللہ عنھا سے نکاح کا مقصد زمانہ جاہلیت کی رسم نظریے کو ختم کرنے کے لیے تھا۔ وہ یہ کہ جاہلیت میں لوگ منہ بولے بیٹے کو اپنے حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے تھے اور اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو حرام خیال کرتے تھے۔ تو اس رسم کو ختم کرنے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ کی بیوی سے نکاح کیا۔

3) سماجی مقاصد:

حضور اکرم ﷺ نے بعض نکاح اپنے جانثار صحابہؓ کی دلجوئی اور حسنِ معاشرت کی مثال قائم کرنے کے لیے کیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے نکاح میں اپنی صاحبزادیاں دی۔ اسی طرح حضور ﷺ نے جب اپنے رفیقِ غار کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا تو اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ اس وقت پریشان تھے، تو آپ ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لیے حضرت حفصہؓ سے نکاح کیا۔

4) سیاسی مقاصد:

قبیلہ بنو مصطلق اسلام کا دشمن قبیلہ تھا۔ جب ان سے جنگ ہوئی تو اس قبیلے کے سردار حی بن اخطب کی صاحبزادی حضرت جویریہؓ بھی گرفتار ہو کر آئیں۔ تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ نکاح کرنے کا اتنا فائدہ ہوا کہ اس قبیلے کے سو سے زیادہ افراد صحابہ کرامؓ نے آزاد کئے۔ اس قبیلے کی اسلام دشمنی کا زور ٹوٹ گیا اور بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔(۱۹)

اعتراض نمبر(۸) حضور اکرم ﷺ پر تشدّد پسندی کا الزام

مستشرقین نے حضور اکرم ﷺ پر آٹھواں اعتراض تشدد پسندی کا کیا۔ اس اعتراض کی بنیاد انھوں نے دو چیزوں کو قرار دیا۔

۱۔ حضور اکرم ﷺ کا جہاد کا اعلان اور اس کی اجازت دینا ۲۔ کعب بن اشرف کا قتل اور مدینہ منورہ سے یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کا اخراج۔

جوابات

جواب نمبر(۱):

حضور اکرم ﷺ کا اعلانِ جہاد کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادے سے تھا۔ اس اعتراض کے جواب کے لیے چار باتیں ذہن نشین رکھنا ضروری ہے:

i. تیرہ سالہ مکی زندگی میں کفار کے انتہائی ظلم و تشدد کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے اعلان جہاد نہیں کیا۔

ii. تین سال تک آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو شعب ابی طالب میں محصور رکھا گیا، لیکن اعلان جہاد نہ کیا۔

iii. بعض بہادر اور جرّی صحابہ کرامؓ جیسے حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ سے کفار سے بدلہ لینے کی اجازت مانگتے تو آپ ﷺ منع فرماتے اور فرماتے مجھے جہاد کی اجازت نہیں دی گئی۔

iv. جب حضور اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آگئے تو کفارِ مکہ پھر بھی آپ علیہ السلام کا پیچھا نہ چھوڑا، بلکہ حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک کی بہت بڑی قیمت لگائی اور مختلف قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے اُبھارا۔(۲۰)

مذکورہ بالا امور سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اعلانِ جہاد کفار مکہ کی سرکشی اور ظلم و تشدد سے تنگ آکر انتہائی مجبوری کی حالت میں فرمایا۔ جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مقدّس میں جہاد کی اجازت سے متعلق سب سے پہلے جو آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔ اس میں جہاد کی اجازت کی علت کفار کا ظلم قرار دیا گیا ہے، چنانچہ آیت مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

{أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا} [الحج: 39]

ترجمہ: وہ لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے ان کو اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ ان سے لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا۔

جواب نمبر (۲)

جہاں تک کعب بن اشرف کو قتل کرنے اور مدینہ منورہ سے مختلف قبائل کو نکالنے کا تعلق ہے تو اس سے متعلق ہر قبیلے کی کچھ وجوہ تھیں جن کی بنیاد پر ان کو مدینہ سے نکالا گیا اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ کعب بن اشرف کا قتل:

اس کا ٹھکانہ مدینہ کے قریب تھا یہ انتہائی شاطر اور دشمنِ اسلام شخص تھا۔ جب اس کو بدر میں کفارِ مکہ کی شکست کی خبر ہوئی تو اس کے سینے کی آگ بھڑک اٹھی اور یہ آگ بگولا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو میں (نعوذ باللہ) اشعار کہنا شروع کیے۔ اس کا سینہ پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ یہ کفارِ مکہ کے پاس گیا اور بدر میں مارے جانے والے کفار کا تذکرہ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت آمیز اشعار کہہ کر کفار کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے لگا۔ نیز کفارِ مکہ کے دین کو سچا ثابت کرنے اور اسلام کو نعوذ باللہ جھوٹا مذہب ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کرتا تھا۔ جبکہ مسلمانوں نے اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ اس کی ان تمام حرکات سے تنگ آکر حضور اکرم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔(۲۱)

۲۔ بنو قینقاع:

ہجرتِ مدینہ کے وقت جن قبائل سے حضور اکرم ﷺ نے معاہدات کیے تھے، ان میں ایک قبیلہ بنو قینقاع بھی تھا۔ غزوہ بدر کے بعد اس قبیلہ کی طرف سے تین امور پیش آئے جن کی بنیاد پر ان کے خلاف چڑھائی کی گئی:

i. انھوں نے علی الاعلان معاہدہ ختم کر دیا۔

ii. حضور اکرم ﷺ سمجھانے کی غرض سے ان کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے جواب میں کہا کہ وہ تمھاری قوم کے لوگ تھے جو لڑائی سے ناواقف تھے۔ ہم سے واسطہ پڑے گا تو پھر لڑائی کا پتہ چلے گا اور اپنی ضد پر ڈٹے رہے۔

iii. اس کے بعد ایک مسلمان عورت بازار میں جارہی تھی۔ ان کے چند آدمیوں نے نقاب اتارنے کے لیے کہا۔ اس نے انکار کیا تو ایک خبیث یہودی نے ایسی حرکت کی جس سے مسلمان عورت کا ستر کھل گیا۔ اس پر ان کے تمام لوگ ہنسنے لگے۔ ایک مسلمان وہاں موجود تھا اس نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے ان کے خلاف چڑھائی کی اور محاصرہ کیا۔ چند دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار یہ لوگ مدینہ سے نکل جانے پر راضی ہو گئے۔ اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ کی شانِ کریمی نے ان کو کچھ نہ کہا اور خاموشی سے جانے دیا۔ (۲۲)

۳۔ بنو نضیر:

اس قبیلے سے بھی مسلمانوں کا معاہدہ تھا غزوہ بدر کے بعد اس پر بھی تین وجوہ کی بناء پر چڑھائی کی گئی:

i. انھوں نے بھی خفیہ طور پر معاہدہ ختم کر دیا اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔

ii. ایک مرتبہ انھوں نے حضور اکرم ﷺ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی دعوت کی ۔ساتھ ہی یہ پروپیگنڈا کیا کہ جیسے ہی حضور اکرم ﷺ تشریف رکھیں گے تو دو آدمی اوپر سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپ ﷺ کو شہید کر دیں۔ حضور اکرم ﷺ دعوت پر تشریف لے گئے تو ان کی اس غداری کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو کر دی۔ اس پر آپ ﷺ دعوت کھائے بغیر واپس تشریف لے آئے۔

iii. ایک مرتبہ کسی مسئلہ کے متعلق انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ بات کی ہمارے اور تمھارے تین تین آدمی بیٹھ کر جو فیصلہ کر دیں۔ ہمیں قبول ہے۔ اس وقت انھوں نے یہ سازش کی کہ جو تین آدمی ان کی طرف سے تھے۔ ان کے پاس چھریاں اور خنجر تھے تاکہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ ﷺ کو شہید کر دیں۔ اس واقعہ کی اطلاع بھی ایک مسلمان جو ان کے اندر موجود تھا نے کر دی تھی۔ جس کی بناء پر آپ ﷺ اٹھ کر واپس تشریف لے آئے اور ان کے خلاف چڑھائی کی (۲۳)۔

بنو قریظہ:

اس قبیلہ کے ساتھ بھی مسلمانوں کا معاہدہ تھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے اور نہ ہی ایک دوسرے کے خلاف کسی دشمن کا ساتھ دیں گے۔ ان کی طرف سے بھی بعض تین ایسے واقعات پیش آئے جن کی بناء پر حضور اکرم ﷺ اس قبیلہ کے خلاف چڑھائی کرنا اور مدینہ سے ان کو نکالنا ضروری سمجھا۔ وہ تین امور یہ ہیں:

i. معاہدہ کے باوجود انھوں نے بدر میں کفار کی مدد کی اور ان کو اسلحہ فراہم کیا۔

ii. غزوہ خندق میں انھوں نے علی الاعلان معاہدہ توڑ دیا اور اس قلعے پر حملہ کر دیا جس میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے موجود تھے۔

iii. خندق کی جنگ کے ختم ہونے کے بعد جب ان سے جواب طلب کیا گیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

جب وہ خود لڑنے کے لیے تیار ہوئے تو آپ ﷺ نے بھی صحابہؓ کو لشکر کشی کا حکم دے دیا اور ان کا پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار خود ان کی تجویز پر حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے مطابق ان کے جوانوں کو قتل کیا گیا، ان کی عورتوں کو باندیاں اور بچوں کو غلام بنایا گیا۔ ساز و سامان کو مال غنیمت بنالیا گیا صرف وہی سامان جو وہ اونٹوں پر لاد سکے لے جانے کی اجازت دی گئی۔ یہ بات واضح رہے کہ انھوں نے خود حضرت سعدؓ کے فیصلے پر رضامند ہونا قبول کیا تھا، ورنہ حضور اکرم ﷺ کی شفیق ذات ان کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتی، بلکہ بنو نضیر اور بنو قینقاع کی ان کو خاموشی سے نکل جانے کا حکم دیا جاتا۔ اور حضرت سعدؓ کا فیصلہ یقیناً ان کی غلطیوں اور معاہدہ کی خلاف ورزی کے عین مطابق تھا۔(۲۴)

اعتراض نمبر(9) اشاعتِ اسلام بزورِ شمشیر

مستشرقین نے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر ایک اعتراض یہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے اشاعتِ اسلام بزورِ شمشیر کی ہے۔ اس اعتراض کی بنیاد انھوں نے اس بات کو بنایا کہ مکہ میں اسلام بہت کم پھیلا اور مدینہ میں آنے کے بعد جب جنگیں شروع ہوئیں تو خوب اسلام پھیلنے لگا۔ گویا کہ اسلام تلوار کے ذریعے پھیلا ہے۔ چنانچہ ٹارانڈرائے لکھتا ہے:

"محمد (ﷺ) غزوہ بدر کے بعد طاقت کے استعمال کا قانون وضع کیا اور پھر تلوار کے ذریعے ہی اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی"

جواب

مستشرقین کا یہ اعتراض انتہائی کمزور اور عقل سے بالاتر ہے، اس کے نقلی اور عقلی ہم دو جواب عرض کریں گے:

نقلی جواب: اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ مقدس میں کئی جگہ اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اے محمد ﷺ آپ ان کو اسلام لانے پر مجبور کرنے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

1. {مَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ} [ق: 45]

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، آپ صرف قرآن کے ذریعے اس شخص کو نصیحت کی جیئے جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔

2. {فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ (21) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ} [الغاشية: 21، 22]

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ نصیحت کیجئے آپ صرف نصیحت کرنے والے ہی ہیں، آپ ان پر نگران نہیں ہیں۔

3. {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ} [البقرة: 256]

ترجمہ: دین (کو قبول کرنے) میں کوئی جبر نہیں۔ تحقیق ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

عقلی جواب: یہ بات ہر ذی شعور سمجھتا ہے کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے، نہ کہ زبان سے۔ اگر آدمی کسی کو ایمان لانے پر مجبور بھی کرلے اور زبان سے کلمہ پڑھ لے تو کیا فائدہ؟ جبکہ اس کا دل کفر سے آلودہ ہو۔ نیز تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں آپ ﷺ نے کسی مرد یا عورت کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو۔ جتنی بھی جنگیں ہوئی دفاعی یا اقدامی حالت کے پیشِ نظر۔ ان کا مقصد اسلام کی بلندی تو ضرور تھی، لیکن کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنا قطعاً مقصود نہ تھا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مکہ اسلام کم پھیلا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت اسلام کی ابتداء تھی لوگوں کے لیے یہ نیا دین تھا جس کی وجہ سے قبول کرنا ذرا مشکل معلوم ہو رہا تھا، لیکن جب اسلام کی فتوحات شروع ہوئیں تو عرب و عجم پر اسلام کی حقانیت کھل گئی۔ جس کی بناء اسلام کو قبول کرنا آسان ہو گیا۔(۲۵)

خلاصہ بحث:

حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی شان و عظمت اتنی بلند و برتر ہے کہ جس کا اندازہ انسانی عقل کے بس کی بات نہیں، آپ کی صفات اور کمالات اس قدر اظہر من الشمس ہیں کہ ہر صاحبِ عقلِ سلیم ان کو پہچان سکتا ہے ۔ اس کے باوجود مستشرقین کا آپ ﷺ کی ذات گرامی پر اعتراض کرنا اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے، ان اعتراضات سے آپ ﷺ کی شان میں ایک ذرہ بھر کمی نہیں آئے گی۔ اگر کوئی مستشرق اور غیر مسلم شخص بھی بنظرِ انصاف ان تمام اعتراضات کا جائزہ لے تو یہ بات ہر صاحبِ عقل اور ذی شعور پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان اعتراضات کا سبب دراصل دو چیزوں میں سے ایک ہے:

اول: تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے حق سے اعراض اور ہٹ دھرمی۔

دوم: پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار سے ناواقفیت اور لاعلمی

عام طور پر جب بھی کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر اعتراض کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی وجہ مذکورہ بالا دو چیزوں میں سے ایک ہوتی ہے، ورنہ چودہ سو سال کے تاریخی اوراق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، کردار اور معاشرت کا ایک ایک پہلو انسانیت کے سامنے واضح اور روشن ہے، جس میں کسی قسم کے اعتراض کی قطعاً گنجائش نہیں۔

واخر دعوانا أن الحمد للہ ربّ العلمین

مصادر و مراجع

۱۔ضیاء النبی ج:۶ص:۱۱۹، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۲۔ضیاء النبی ج:۶ص:۱۲۳، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۳۔ضیاء النبی ج:۶ص:۱۱۹، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۴۔ضیاء النبی ج:۶ص:۲۳۶، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۵۔ضیاء النبی ج:۶ص ۲۸۱، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۶۔سیرتِ رسول اور استشراق،مؤلفہ پروفیسر غلام احمد حریری،انٹرنیٹ۔

۷۔ضیاء النبی ج:۷ص ۱۶۹، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۸۔ضیاء النبی ج:۷ص ۱۶۹، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۹۔ضیاء النبی ج:۷ص ۲۱۷، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۱۰۔https://ur.wikipedia.org/w/index.

۱۱۔المستشرقون والاسلام، ص ۳۱۶بحوالہ دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر، جلد ۵ ص ۲۷۰)

۱۲۔ضیاء النبی ج:۷ص ۲۹۵، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۱۳۔ضیاء النبی ج:۷ص ۳۶۰، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۱۴۔ضیاء النبی ج:۷ص ۳۹۱، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۱۵۔آسان ترجمۂ قرآن۔للشیخ المفتی محمد تقی العثمانی مد ظلہم، مکتبہ معارف القرآن، احاطہ دارالعلوم کراچی، کورنگی۔

۱۶۔مصنف عبد الرزاق (506/7)، للامام عبد الرزاق الصنعاني، المكتبة الشاملة۔

۱۷۔تفسیر عثمانی، ج:۱ص:۱۷۳۵، للشیخ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مکتبہ یسین۔

۱۸۔ضیاء النبی ج:۷ص ۴۲۳، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۱۹۔ضیاء النبی ج:۷ص ۴۷۹، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۲۰۔ضیاء النبی ج:۷ص ۵۴۷، پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔

۲۱۔سیرتِ مصطفی ﷺ، ج:۲ص:۱۷۴، للشیخ محمد ادریس کاندھلوی، الطاف سنز، کراچی۔

۲۲۔سیرتِ مصطفی ﷺ، ج:۲ص:۱۶۷، للشیخ محمد ادریس کاندھلوی، الطاف سنز، کراچی۔۲۳۔

۲۳۔سیرتِ مصطفی ﷺ، ج:۲ص:۲۷۰، للشیخ محمد ادریس کاندھلوی، الطاف سنز، کراچی۔

۲۴۔سیرتِ مصطفی ﷺ، ج:۲ص:۳۲۳، للشیخ محمد ادریس کاندھلوی، الطاف سنز، کراچی۔

۲۵۔ضیاء النبی ج:۷ص ۵۷۹،پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش روڈ،لاہور۔